علامہ جار اللہ الزمخشری

محمد مجیب الرحمٰن ——— (راجشاہی یونیورسٹی)

ابو القاسم محمود بن عمر بن محمد بن عمر بن احمد الخوارزمی الزمخشری اپنے عہد کے۔
ان تسلیم شدہ پیشواؤں اور متفق علیہ اماموں میں سے تھے جن کی طرف لوگ علوم و فنون میں استفادہ کی خاطر دُور دراز مقامات سے کھنچے چلے آتے تھے۔ آپ نہ صرف صاحبِ تصانیف کثیرہ ہیں بلکہ اپنے زمانہ میں علم تفسیر، حدیث، لغت، نحو، فلسفہ، علم بیان وکلام اور دیگر علوم و فنون کے بہت بڑے امام مانے جاتے تھے۔[1]

آپ نے ۲۷ رجب ۴۶۷ھ کو زمخشر کی سرزمین میں جو خوارزم کا ایک بہت بڑا قصبہ ہے آنکھ کھولی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں ہی پائی۔ اس کے بعد مکۃ معظمہ پہنچ کر وہاں کے شہرۂ آفاق عالم و فاضل شیخ ابن وہاس کی خدمت اقدس میں زانوئے تلمذ تہہ کیا اور اس سلسلے میں عرصہ تک آپ کو وہاں قیام کرنا پڑا۔ یہی نہیں بلکہ آئندہ چل کر اپنی تصنیفات کے زمانہ کا بیشتر حصہ آپ نے اسی مقدس سرزمین میں گزارا۔ اسی بنا پر آپ کا لقب جار اللہ (خدا کا ہمسایہ) پڑا اور ایسا مشہور ہوا کہ اصلی نام بھی اس کی اوٹ میں چھپ کر رہ گیا۔

تحصیل علم کے زمانہ میں متعدد اسلامی ممالک کے علاوہ کئی بار آپ کو بغداد بھی جانا پڑا جو اس زمانہ میں علم و عرفان کا گہوارہ اور اسلامی تہذیب و تمدن کا سب سے

---

[1] THE ENCYCLOPAEDIA OF ISLAM, P.P. 183-184.

بڑا مرکز تھا۔ ان دنوں کوئی بھی کسی فن میں مسلّم امام نہیں تصوّر کیا جاتا تھا تاوقتیکہ وہ بغداد جاکر وہاں کے علمائے کرام اور فضلائے عظام سے، جو یگانۂ عصر اور یکتائے روزگار ہوا کرتے تھے تحصیل علم نہ کرچکا ہو۔ دارالخلافہ بغداد پہنچ کر جن علمائے کرام سے آپ نے استفادہ کیا ان میں سے فنِ ادب کے استاد ابوالمنصور معترکا نام نامی خصوصی طور پر قابل ذکر ہے۔ ادب میں آپ کے دوسرے استاد کا نام ابوالحسن علی بن مظفر ہے جو خراسان کے مشہور و معروف شہر نیشاپور کے مانے ہوئے جیّد عالم تھے۔ ابونعیم الاصفہانی کا نام بھی اس سلسلہ میں قابل ذکر ہے۔

آپ کے اساتذۂ کرام کی فہرست بہت طویل ہے۔ مذکورہ بالا اساتذہ سے آپ نے نہ صرف پورا پورا استفادہ کیا بلکہ ان کے ساتھ آپ کے باقاعدہ طور پر علمی و ادبی مذاکرات بھی ہوا کرتے تھے۔ زمخشری نے ایک علمی خاندان اور علمی ماحول میں آنکھ کھولی، پھر بچپن ہی سے شہرۂ آفاق اساتذہ و شیوخ سے استفادہ کے مواقع حاصل رہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ بچپن ہی سے آپ نے بلا کا ذہن پایا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آگے چل کر جب آپ نے خامہ فرسائی شروع کی تو یہ سونے پر سہاگہ ثابت ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ مرتے دم آپ اپنے ترکہ میں وہ انمول تصانیف چھوڑ گئے جن پر آنے والی نسلیں ہمیشہ بجا طور پر ناز کر سکتی ہیں۔[۲]

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ زمخشر خوارزم کا ایک بہت بڑا گاؤں ہے لیکن علامہ زمخشری خود اس بات کی تردید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:- "اما المولد فقرية مجهولة من قرى خوارزم تسمّٰى زمخشر وسمعت ابي رحمه الله يقول اجتاز بها اعرابيّ فسأل عن اسمها واسم كبيرها فقيل له زمخشر فقال لا خير في شرّ ورد ولم يلمم بها۔"

---

[۲] TASH KOPRA FADEH (D. 968 A.H.): MIFTAAH AL-SA'AADAH WA MISBAAH DAR AL-SIYADAH (ED. HYDRABAD, 1911) VOL. 1 P.P. 430-33.

یعنی جہاں تک میری جنم بھومی کا تعلق ہے وہ زمخشر نامی خوارزم کا ایک گمنام سا گاؤں ہے۔ میرے والد مرحوم کا کہنا ہے کہ اس گاؤں کے پاس سے گزرنے والے ایک بدو نے ایک دفعہ اس گاؤں اور اس کے سرگروہ کے نام کی بابت دریافت کیا۔ جب اسے گاؤں کا نام زمخشر بتایا گیا تو فوراً ہی کہنے لگا "اس بدی میں بھلائی کی کوئی امید نہیں"۔ یہ کہہ کر وہ اس طرح چلا یا کہ مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔[۳] گویا اس نے زمخشر کے لغوی معنی ہی یہ لئے ہوں گے "جس میں بھلائی کی کوئی گنجائش نہ ہو"۔

علامہ زمخشری کی نیک نامی اور شہرت کی دھوم ان کے عین حیات ہی چار دانگ عالم میں مچ گئی تھی۔ یہاں تک کہ ہمعصر شعراء و ادباء نے دل کھول کر ان کی مدح سرائی میں نمایاں حصہ لیا۔ علمائے کرام ان کی تصنیف کردہ کتابوں کی روایت کے لئے بھی ان سے اجازت طلب کیا کرتے۔ حافظ ابوطاہر احمد بن محمد السلفی نے ایک دفعہ اسکندریہ (ALEXANDRIA) سے انھیں خط لکھا کہ وہ اپنی تصنیفات اور مسموعات کی روایت کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ زمخشری نے اس کا جواب لکھا۔ مگر یہ کوئی سیر حاصل جواب نہ تھا بلکہ گول مول سی بات تھی۔ اس میں سائل کی تشنگی جوں کی توں باقی رہ گئی تھی۔ اگلے سال پھر انھوں نے حرم پاک کے حجاج کے ہاتھ اجازت طلبی کا دوسرا خط لکھ بھیجا۔ اس میں پہلے خط کی یاد دہانی کراتے ہوئے انھوں نے بڑی منت سماجت کی اور لکھا کہ اگر دُور دراز کی مسافت حائل نہ ہوتی تو میں خود ہی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوتا۔ زمخشری نے بھی اس خط کا طویل جواب لکھا جو کہ ابن القارح کے نام ابوالعلاء المعری المتوفی ۴۴۹ھ کے تحریر کردہ خط سے بڑی مشابہت رکھتا ہے۔ قارئین کرام کے ملاحظہ کے لئے اس کا ترجمہ درج ذیل ہے:-

یعنی آسمان کے مہر و ماہ کے اندر بنات النعش صغریٰ میں بہت ہی چھوٹے سے ستارے کو جو حیثیت حاصل ہوتی ہے، بڑے بڑے عالموں کی صف میں مجھے بھی وہی حیثیت

---

[۳] وفیات الاعیان۔ ابوالعباس احمد بن خلکان المتوفی ۶۸۱ھ۔ ج ۲، ص ۱۰۸

حاصل ہوتی ہے اور زرد پیلے رنگ کے بادل کو جو بارش کا حامل نہیں ہوتا سنگلاخ سنسان بیابان میں موسلا دھار بارش کے ساتھ جو نسبت ہوتی ہے وہی حیثیت میری ہے۔ نیز گھوڑ دوڑ کے میدان (RACE HORSE) کے سست رفتار آخری گھوڑے کو برق رفتار گھوڑے کے ساتھ اور سست پرواز پرندے کے ساتھ تیز پرواز شکاری پرندوں کو جو حیثیت حاصل ہوتی ہے، میری مثال بھی بالکل ایسی ہی ہے۔ اور لفظ علّامہ کے ساتھ ملقّب و موسوم ہونا ایسا ہی ہے جیساکہ نشان و علامت کے ساتھ صفر کا ایک نقطہ۔ علم ایک ایسا شہر ہے جس کے پہلے دروازہ کا نام درایت ہے اور دوسرے کا نام روایت۔ لیکن میں دونوں ہی دروازوں کا یکساں و مشترک ساز و سامان ہوں۔ اور میرا سایہ اس میں ایک کنکری کی پرچھائیں سے بھی زیادہ بے مایہ ہے۔ جہاں تک روایت کا تعلق ہے وہ بعد کی پیداوار ہے اور اس کی سند بہت نزدیک ہے۔ نہ تو ماہر و حاذق علماء کی طرف اس کی نسبت ہوتی ہے اور نہ آزمودہ کار فضلاء کی طرف۔ جہاں تک درایت کا تعلق ہے وہ پانی کی بوند کی سی حیثیت رکھتی ہے جو منہ تک بھی نہیں پہنچ سکتی اور یہ تھوڑا پانی بھی ایسا کہ لبوں کو تر کرنے سے بھی قاصر۔ اور میرے متعلق فلاں و فلاں کی بات تمہیں ہرگز دھوکہ میں نہ ڈال رکھے۔

پھر زمخشری نے اپنے خط میں علماء و فضلاء کی ایک بڑی تعداد کے نام گنوائے جنہوں نے اپنے قطعاتِ اشعار کے ذریعہ سے دل کھول کر آپ کی تعریف کی۔ اجازت نامہ کا یہ آخری حصہ ہے مگر یہ عجیب سی بات ہے کہ اس طول طویل جواب میں اظہار برتری اور کچھ گول مول بات کے علاوہ صراحت سے کوئی بات نہیں کی گئی۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ آئندہ چل کر طالبِ اجازت کو اجازت سے نوازا گیا یا نہیں۔[۴]

اس خط کے اقتباس سے نہ صرف زمخشری کے ادبی اسلوب اور طرزِ تحریر کا پتہ چلتا

---

[۴] الدکتور احمد امین: ظہر الاسلام ج ۴ ص ۵۲ والشیخ ابراہیم الدسوقی: نبذۃ من ترجمۃ الزمخشری بآخر الکشاف ص ۴ ۳۷ مطبعۃ القاہرہ ۱۹۵۱ء

ہے بلکہ بخوبی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ علمی حلقوں میں کس قدر ہردلعزیزی اور مقبولیت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، حتیٰ کہ آپ سے روایتِ کتب کی بھی اجازت طلب کی جاتی۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ دوسروں کی طرف دھیان دیئے بغیر اپنے مشغلہ میں منہمک ہو کر ڈٹے رہنا اور بھلائی کو دل سے پسند کرنا آپ کا شیوہ تھا۔ نیز یہ کہ غرور، خودبینی اور خودپسندی کا شائبہ بھی آپ کے اندر پایا جاتا۔ مندرجہ ذیل اشعار جہاں آپ کی تدقیق وتحقیق کدوکاوش کی غمازی کرتے ہیں وہاں آپ کی خودپسندی، نخوت وانانیت کے بھی آئینہ دار ہیں۔

سهري لتنقيح العلوم الذّ لي + من وصل غانية وطيب عناق

ترجمہ:- تحقیقِ علوم ومطالعہ کے لئے شب بیداری میرے لئے زیادہ لذیذ اور موجب خوشی ہے بہ نسبت گانے والی چھوکری کے وصال سے یا اس کی لمبی گردن پر محبت کے ہاتھ ڈالنے سے۔

وتمايلي طرباً لحلّ عويصة + اشهى واحلى من مدامة ساقي

ترجمہ: کسی الجھے ہوئے مشکل مقام کو حل کرتے ہوئے اس کی خوشی میں جھوم جھوم جانا اور اکڑتا ہوا، بل کھاتا ہوا خراماں خراماں چلنا میرے لئے زیادہ شیریں اور پسندیدہ ہے بادہ و ساغر سے۔

وصرير اقلامي على اوراقها + احلى من الدوكاء والعشاق

ترجمہ:- کاغذات پر میرے اشہبِ قلم کی کھڑکھڑاہٹ مجھے زیادہ بھاتی ہے۔ بہ نسبت عاشقوں کے شور وشغب اور موسیقی کے نغموں سے۔

أأبيت سهران الدجى وتبيته + نوماً وتبغي بعد ذاك لحاقي....؟

ترجمہ:- کیا اسی طرح میں شب بیداری کرتا رہوں اور تو گہری نیند کے خمار میں رات گزارتا ہے اور پھر بھی تو مجھ جیسا بلند پایہ اور میرے اعلیٰ وارفع مقام کو پا سکے گا؟ یعنی ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ [۱]

---

[۱] الدکتور احمد امین ظہر الاسلام ج ۴، ص ۵۳، الطبعۃ الأولی، مکتبۃ النہضۃ المصریۃ ۱۹۵۵ء

جار اللہ زمخشری معتزلہ مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے اور اس پر آپ کو بہت ناز بھی تھا۔ چنانچہ آپ سب کے سامنے اپنے مکتبِ فکر کا برملا اعلان کرتے تھے۔ جب کبھی کسی سے ملنے جایا کرتے تھے تو باریابی کی اجازت مانگتے وقت لوگوں سے یوں گویا ہوتے:۔" ابو القاسم معتزلی بالباب" یعنی ابوالقاسم معتزلی دروازہ پر کھڑا ہے اور صاحب خانہ سے ملنا چاہتا ہے۔

آپ قرآن مجید کو مخلوق گردانتے تھے۔ چنانچہ جب آپ نے اپنا شہرۂ آفاق شاہکار " الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل" تصنیف کیا تو اس کی ابتدائی سطور میں یوں رقمطراز ہوئے :۔" الحمد للہ الذی خلق القرآن" یعنی ہر قسم کی تعریف وستائش اس ذاتِ ستودہ صفات کے لئے ہے جس نے قرآن مجید کی تخلیق کی۔ کہتے ہیں کہ لوگوں نے تفسیر الکشاف کے اس افتتاحیہ فقرہ کو پڑھ کر دل ہی دل میں بڑی کبیدگی محسوس کی اور مصنف سے جرح وقدح کرتے ہوئے اس فقرہ کو تبدیل کرنے کی التجا کی۔ انھوں نے مزید کہا کہ" اگر ہماری بات کو تسلیم کئے بغیر آپ نے ابتدائی جملے کو یوں ہی رہنے دیا تو اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا، نہ ہی اس تفسیر کی کچھ قدر ومنزلت ہوگی بلکہ بڑی حقارت کی نگاہ سے دیکھی جائے گی"۔ یہ سُن کر زمخشری نے اس فقرہ کو یوں تبدیل کیا :۔" الحمد للہ الذی جعل القرآن"۔ معتزلیوں کے نزدیک جَعَلَ بمعنی خلقَ ہے۔ اسی طرح امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس فقرہ میں اور بھی بہت سا تغیر وتبدل واقع ہوا۔ غرض یہ قصّہ بہت طویل ہے۔ ابوالعباس احمد ابن خلکان اپنی مایۂ ناز تصنیف" وفیات الاعیان" میں لکھتے ہیں: میں نے اکثر نسخوں میں یوں لکھا ہوا دیکھا " الحمد للہ الذی انزل القرآن"۔ یہ اصلاح مصنف کی اپنی نہیں ہے بلکہ لوگوں کی طرف سے ہے۔[۶]

قاضی القضات ابن خلکان المتوفی ۶۸۱ھ آگے چل کر اپنے بعض شیوخ سے نقل

---

[۶] وفیات الاعیان احمد بن خلکان ج ۲ ص ۱۰۸ مطبع میمنیہ مصر ۱۳۱۰ھ وازہار الریاض ج ۳، ص ۲۸۲ - ۳۱۲

کرتے ہیں کہ ابوالقاسم زمخشری ایک ٹانگ سے معذور (لنگڑے) تھے۔ چلنے پھرنے کے لئے انھوں نے لکڑی کی ایک مصنوعی ٹانگ بنا رکھی تھی۔

آپ لنگڑے کیونکر ہوئے؟ اس کی وجہ یوں بیان کی جاتی ہے کہ دورانِ سفر خوارزم میں سخت برف باری ہی آپ کے لنگڑے پن کا باعث بن گئی۔ آپ کے پاس ہمیشہ ایک رجسٹر ہوا کرتا تھا جس میں بہت سے دانشور اور واقف کار لوگوں کی شہادت نامہ درج رہتی تھی کہ یہ ٹانگ کسی سنگین جرم یا چوری چکاری میں نہیں کاٹی گئی بلکہ محض ایک حادثہ کی نذر ہو گئی۔

اطرافِ زمخشر کی یہ ایک دیکھی بھالی اور آزمودہ حقیقت ہے کہ وہاں کی لبستہ یخ اور سخت برف باری بھی کبھی کبھی لنگڑے پن کا باعث بنتی ہے۔ خصوصاً ملک خوارزم کی برف باری تو بہت ہی سخت اور بے پناہ ہوا کرتی ہے۔ وہاں کی سردی تو اس قدر شدید اور دانت سے دانت بجانے والی ہے کہ خدا کی پناہ! صرف جاراللہ زمخشری ہی نہیں بلکہ اور بھی سینکڑوں افراد ایسے ملیں گے جن کی صحیح و سالم ٹانگیں سردی کی نذر ہو چکی ہیں اور جنہیں قاضی ابن خلکان خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ ایک رستے ہوئے ناسور کی وجہ سے آپ کی ٹانگ کاٹ ڈالنے کی نوبت پہنچی تھی۔

بعض متاخرین سے یہ بھی منقول ہے کہ جب آپ بغداد میں وارد ہو کر فقیہ حنفی دامغانی المتوفی ۵۴۰ھ سے ملے تو انھوں نے سب سے پہلے ٹانگ ٹوٹنے کی وجہ دریافت کی آپ نے جواب دیا کہ اس کا باعث بچپن میں میری والدہ کی بد دعا ہے۔ دراصل ہوا یہ کہ میں نے بچپن میں ایک چڑیا پکڑ کر دھاگے سے اس کی ٹانگ باندھ دی۔ دفعتہً وہ میرے ہاتھ سے پرواز کرتی ہوئی روزن کی راہ سے اندر جا گھسی۔ اب ہاتھ کا شکار چھوٹتے دیکھ کر مجھے بڑی کوفت ہوئی اور میں نے پیچھے کی طرف سے وہ باریک سا دھاگہ کھینچا جو ٹانگ کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ پھر کیا دیکھتا ہوں کہ ناگاہ اس کے جسم سے ٹانگ بالکل الگ ہو کر رہ گئی۔ یہ حالتِ زار دیکھ کر میری والدہ کو بہت ترس آیا اور مجھ پر برافروختہ بھی ہوئیں۔ بالآخر طیش میں آکر بولیں "کمبخت تجھے ہمیشہ پرندوں کو تکلیف

دینے کی شرارت سوجھتی ہے۔ حالانکہ میں کتنی روک ٹوک کرتی ہوں۔ اور اب کی دفعہ تو تُونے گوریا بیچاری کی ٹانگ بھی توڑ ڈالی ہے۔ خدا تجھے بھی ایسا ہی کرے گا۔

بعدازاں حصولِ تعلیم کے لئے علوم و فنون کے مرکز بخارا پہنچا تو اثنائے راہ میں سواری سے گر کر غیر متوقع طور پر میری ٹانگ ٹوٹ گئی۔ پھر درد رفتہ رفتہ اس قدر بڑھ گیا کہ کاٹنے کے سوا کوئی چارۂ کار ہی نہ رہا۔ کہتے ہیں کہ راہ چلتے وقت آپ اپنے پاؤں کے ٹوٹے ہوئے حصّہ میں لکڑی کی ایک مصنوعی ٹانگ بنا کر اس پر کپڑا تان لیا کرتے تھے تاکہ دوسروں کو پتہ نہ چل سکے کہ ان کی ایک ٹانگ بیکار ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہٗ اتم واحکم۔[۶]

علامہ زمخشری ایک ظریف الطبع اور خوش مزاج آدمی تھے۔ فن ادب میں انھیں ید طولیٰ اور خاصا درک حاصل تھا۔ زیارت کعبہ کے لئے مکہ معظمہ کو جاتے ہوئے بغداد میں وارد ہوئے تو وہاں کے نامی گرامی عالم و فاضل شریف ابوالسعادات ہبۃ اللہ بن محمد العلوی النحوی المعروف بابن الشجری المتوفی ۵۴۲ھ نے بڑی گرمجوشی اور تپاک سے آپ کی آؤ بھگت کی۔ زمخشری کے ورودِ مسعود پر شریف بن الشجری اس قدر خوش ہوئے کہ فوراً ان کے پہلو میں بیٹھ کر ذیل کے اشعار سنائے:-

كانت مساءلة الركبان تخبرني + عن احمد بن دُوَاد اطيب الخبر

حتّى التقينا فلا والله ما سمعت + اذني باحسن مما قد رأى بصري

ترجمہ:- "شتر سواروں کی باہمی پوچھ گچھ اور دریافت نے مجھے احمد بن دُواد سے متعلق بہترین مسرت انگیز خبر پہنچائی۔ یہاں تک کہ جب ہمیں ایک دوسرے سے ملنے کا موقع ملا تو خدا کی قسم جو کچھ کان نے سُنا تھا اس سے کہیں بڑھ کر آنکھ نے دیکھا۔"

پھر مزید شعر گوئی کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا:-

استكبر الاخبار قبل لقائه + فلما التقينا صغر الخبر الخبر

ترجمہ:- ممدوح کے ساتھ ملاقات سے پہلے ان کے متعدد اوصاف کی جو خبریں

---

[۶] ایضاً۔ ص ۱۰۷ ومرأۃ الجنان ج ۳، ص ۲۶۹-۲۷۴

مجھے ملتی رہیں وہ بہت مبالغہ آمیز دکھائی دیتی تھیں۔ مگر جب میں ان کے دیدار سے لطف اندوز ہوا تو پہلے کی خبریں پھیکی اور معمولی معلوم ہونے لگیں[۸]

پھر شریف الشجری نے آپ کی مدح سرائی کرنا شروع کی جس پر آپ نے کوئی روک ٹوک یا کسی قسم کی مزاحمت نہ کی۔ مگر جب انھوں نے اپنا سلسلۂ گفتگو ختم کر لیا تو آپ نے موزوں الفاظ میں دل کھول کر ان کا شکریہ ادا کیا، مدح سرائی کی اور ان کے روبرو اپنی فروتنی اور بے بضاعتی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے : ایک بار زید الخیل خدمتِ نبویؐ میں باریاب ہوئے اور رسول اکرمؐ کو پہلی دفعہ دیکھتے ہی بہت بلند آواز سے کلمہ شہادتین پڑھ دیا۔ یہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ "کل رجل وُصف لی وجدتہٗ دون الصفۃ الّا انت فانک فوق ما وُصفت لی وکذلک انت یا ایھا الشریف"۔ یعنی جب میرے سامنے لوگوں کے اوصاف بتائے جاتے ہیں تو میں انھیں ان اوصاف سے کمتر پاتا ہوں مگر اے زید تم مجھے اس سے مستثنٰی نظر آتے ہو۔ کیونکہ تمہارے متعلق مجھے بتائے ہوئے اوصاف سے میں تمہیں کہیں بڑھ کر پاتا ہوں۔ ہمارے جناب شریف صاحب کے ساتھ بھی بالکل معاملہ یہی ہے۔ یعنی میں ان کو ان کے اوصاف سے زیادہ پاتا ہوں"۔ یہ کہہ کر زمخشری نے شریف ابن الشجری کی خوب خوب تعریفیں کیں اور دعائیں دیں حاضرینِ مجلس ان دونوں کی عالمانہ گفتگو سے بہت ہی محظوظ ہوئے کان الخبر کان الیق بالشریف والشعر کان الیق بالزمخشری۔ کیونکہ یہ خبر شریف شجری کے زیادہ شایانِ شان تھی۔ جیسا کہ شعر زمخشری کے لئے زیادہ شایانِ شان تھا[۹]

واضح رہے کہ زید مذکور کو ان کے دلیرانہ اور غازیانہ اوصاف کی وجہ سے خیل یعنی گھوڑے کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہ اپنی قوم کے شاعر اور خطیب بھی تھے۔

---

[۸] ابوالبرکات عبدالرحمٰن بن ابی سعید الانباری المتوفی ۵۷۷ھ : نزھت الالباء فی طبقات الادباء، ص ۲۳۲۔

EDITED By ATTIA ĀMER:

ALMQVIST AND WIKSELL. STOCKHOLM. UPPSALA

[۹] ایضاً ص ۲۳۲

مسلمان بن کر جب حضور اکرم صلعم کی خدمت میں آئے تو حضور پُرنور صلعم نے لفظِ خیل کو خیر سے بدل دیا۔ "لان الخیل معقودٌ فی نواصیہا الخیر الی یوم القیامۃ"۔ (الحدیث) یعنی گھوڑے کی پیشانی میں روزِ حشر تک بھلائی باندھی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ وہی زید تھے جن کے نیک نفس ہونے کے متعلق خود آنحضرت صلعم نے شہادت دی تھی اور جن کے باپ کا نام مہلہل الطائی تھا۔[۱]

غرض عروس البلاد بغداد میں شریف سنجری کے ساتھ زمخشری کی یہ عارضی مگر یادگار علمی و ادبی صحبتیں جب ختم ہوئیں تو وہ مکّہ معظمہ کے مقدس گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں سے واپسی کے بعد عرفات کی شب ۵۳۸ھ مطابق ۱۱۴۴ء بمقام جرجانیہ جو خوارزم میں دریائے جیحون کے ساحل پر ایک چھوٹا سا قصبہ ہے، زمخشری کی روح ہمیشہ کے لئے قفسِ عنصری سے پرواز کرتی ہوئی عالمِ جاودانی کو سدھاری۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

یاقوت الحموی المتوفی ۶۲۶ھ نے معجم البلدان میں تحریر کیا ہے کہ جرجانیہ کا لفظ معرّب (عربی بنایا ہوا ہے) ہے۔ اصل میں اس کا عجمی نام گرگانج تھا۔ مشہور سیاح محمد بن عبداللہ ابن بطوطہ المتوفی ۷۷۹ھ۔ ۱۳۷۷ء نے بھی بذاتِ خود مقامِ جرجانیہ کی زیارت کی جہاں آپ کی آخری آرام گاہ بنی ہوئی تھی۔ بعض نے آپ کی وفات حسرت آیات پر یوں مرثیہ خوانی کی:

فارض مکۃ تذری الدمع مقلتہا - حزناً لفرقۃ جار اللہ محمود

ترجمہ:- سرزمین مکّہ اپنی آنکھوں سے خون کے آنسو بہاتی ہے، علامہ جار اللہ محمود کی دائمی فرقت کے رنج و غم کی وجہ سے۔

امام زمخشری اپنے زمانہ میں نہ صرف ایک بے نظیر مفسّر قرآن تھے بلکہ ایک عدیم المثال فلسفی، نادر الوجود لغت دان، بلند پایہ ادیب اور اَن گنت مذہبی کتابوں کے مصنف تھے متعدد متداول علوم و فنون کے ایک ناپیدا کنار سمندر تھے۔ بین الاقوامی شہرت و نیکنامی

---

[۱] استاذ محب الدین آفندی: شرح شواہد الکشاف، ص ۲۵

کے ساتھ اس دنیائے فانی سے رخصت ہوتے وقت آپ اپنے ترکہ کے طور پہ بے بہا علمی خزانہ، بے انتہا ادبی ذخیرہ اور بے شمار جواہر پاروں کا گنجینہ پیچھے چھوڑ گئے جو عاشقانِ علم و عرفان و تشنگانِ فضل و فن کی پیاس بجھانے کے لئے کافی و شافی ہے۔ سچ پوچھیے تو یوں کہنا چاہیئے کہ امتداد زمانہ بلکہ رہتی دنیا تک تاریخ کبھی انہیں فراموش نہیں کر سکے گی۔

امام جار اللہ زمخشری صرف ایک بہترین مصنفِ کتب، ایک بلند پایہ مفسّر قرآن اور علم و ادب کے علمبردار ہی نہ تھے بلکہ وہ ایک اعلیٰ درجہ کے شاعر بھی تھے۔ ان کے شاعرانہ شوق و میلان اور ذوقِ سلیم نے مختلف مقامات و مواقع پر انھیں عمدہ عمدہ اشعار کہنے پر آمادہ کیا۔ ان کے کلام میں جہاں اشارات و رمزیت کا حسن و لطافت ہے، وہاں زبان کی شستگی، بے ساختگی اور سلاست و روانی کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ اپنے اشعار کے ذریعہ جہاں وہ دقیق فلسفہ چھانٹتے ہیں، وہاں دردمند اور بے چین دلوں کی دھڑکنوں اور کروٹوں کی ترجمانی بھی کرتے ہیں۔ کہیں کہیں وہ اپنے نغمات کی شیرینی سے کانوں کو مسحور بھی کر لیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ ان کی شاعری عربی ادب کے فروغ میں ایک گرانقدر اضافہ ہے۔ کبھی کبھی ان کے اشعار تکلف سے پاک اور تاثیر میں ڈوبے ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔ بلکہ جذبات کی شدت الفاظ کے آبگینوں کو پگھلا دیتی ہے۔ طرز بیان عمدہ اور زبان ستھری و نکھری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ علاّمہ سمعانی المتوفی ۵۶۲ھ نے آپ کے بہت سے اشعار کا ذکر کیا ہے جن میں سے چند ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:-

الا قل لسعدیٰ مالنا فیك من وطر + وهل نطلبنّ النجل من اعین البقر

ترجمہ:- اے میرے مخاطب! سعدیٰ سے یہ ضرور کہنا کہ ہمیں اس کی کوئی حاجت نہیں اور نہ ہی ہمیں بڑی آنکھوں کی تلاش ہے گائے کی آنکھوں میں سے۔

فانا اقتصرنا بالذین تضایقت + عیونهم واللّٰه یجزی من اقتصر

ترجمہ:- کیونکہ ہم نے انہیں پر اکتفا کیا جن کی آنکھیں کوتاہ و تنگ ہوتی ہیں۔ اور اللہ پاک اسے جزائے خیر دیتا ہے جو قناعت کرتا ہے۔

ملیح ولکن عندہٗ کل جفوۃ + ولم أر فی الدنیا صفاء بلا کدر

ترجمہ:۔ سعدیٰ ہے تو ایک دوشیزہ نازنین سی مگر جفاکار بھی ہے اور دنیا کی عجیب ریت ہے کہ خوشی اور رنج، صفائی اور کدورت ساتھ ساتھ شانہ بشانہ چلتی ہے۔

وقلت لہ جئنی بورد و انما + أردت بہ ورد الخد ودوما شعر

ترجمہ:۔ ایک روز میں نے اس سے کہا کہ میرے پاس گلاب لاؤ۔ اور بلاشبہ میری مراد اس گلاب سے اس کا رخسار تھا مگر افسوس کہ وہ سمجھ نہیں سکی۔

فقال انتظرنی رجع طرف اجیٔ بہ + فقلت لہ ھیھات مالی منتظر

ترجمہ:۔ اس نے کہا پل بھر انتظار کرو۔ میں ابھی لا دیتی ہوں۔ میں نے کہا کہ افسوس مجھ میں انتظار کی سکت نہیں۔

فقال ولا ورد سوی الخد حاضر + فقلت لہٗ انی قنعت بما حضر

ترجمہ:۔ پھر وہ کہنے لگی کہ گلاب تو نہیں ہاں البتہ میرا رخسار حاضر خدمت ہے۔ میں نے کہا جو کچھ حاضر ہے اسی پر قناعت کرتا ہوں۔[۱]

آگے چل کر اسی سعدیٰ کے متعلق یوں نظم کرتے ہیں:۔

أیا حبذا اسعدیٰ وحُبَّ مقامھا + ویا حبذا این استقلّ مقامھا

حیاتی و موتی قرب سعدیٰ وبُعدھا + وعزّی وذُلّی وصلہا و انصرامھا

ترجمہ:۔ سعدیٰ کتنی بھلی عورت ہے اور اس کی قیام گاہ کس قدر پسندیدہ ہے اور کیا ہی اچھی ہے وہ جگہ جہاں اس کی فرودگاہ وسراپردہ واقع ہوئے ہیں۔ جب وہ قریب تر ہوتی ہے تو میری جان میں جان آجاتی ہے۔ جب وہ دور جاتی ہے تو میری جان بھی نکل جانا چاہتی ہے۔

سلام علیہا این امست و اصبحت + و ان کان لا یقرأ علیّ سلامھا

اذا سحبت سعدیٰ بارض ذیولھا + فقد ادغم المسک الذکی رُغامھا

---

[۱] شیخ ابراہیم الدسوقی۔ نبذۃ من ترجمۃ المؤلف بأخر الکشاف۔ ج ۳، ص ۳۷۵۔

عبدالحیّ بن العماد الحنبلی المتوفی ۱۰۸۹ھ۔ شذرات الذہب ج ۴، ص ۱۰۹-۱۱۰

ترجمہ :- میری طرف سے اسے ہزاروں سلام و نیاز ہو جہاں اس کی صبحیں اور شامیں گزرتی ہوں، اگرچہ سعدیٰ کی طرف سے مجھے کبھی سلام نہیں کہا جاتا ہے۔ جب کبھی کسی زمین میں سعدیٰ اپنا دامن گھسیٹے تو گویا اس کی مٹی کے ساتھ خوشبودار مشک عنبر گھل مل گیا ہوتا ہے۔

ابوالحسن علی القفطی المتوفی ۶۴۶ھ نے کہا کہ یہ ایک طویل و عریض قصیدہ ہے، جس کے ذریعہ زمخشری نے وزیر مجیر الدولہ الاردستانی کی مدح سرائی کی۔ وزیر نے بھی اس کے جواب میں انھیں نہ صرف بیش قیمت خلعت سے نوازا بلکہ ہزار دینار اور کئی گھوڑے عنایت کئے۔[۱]

قفطی المتوفی ۶۴۶ھ کا کہنا ہے کہ انھیں افضل الدین امیرک الزیبانی نے زمخشری کا ایک طویل سا قصیدہ پڑھ کر سنایا جس کا کچھ حصہ یہ ہے:-

مرّی بہ وتعلقی ببردائہ + لیکون فیك من الحبیب نسیم

قولی لہ ما بال قلبك قاسیاً + ولقد عهدتك بي وانت رحیم

انی اجلك ان اقول ظلمتنی والله یعلم اننی مظلوم

ترجمہ :- اے میری محبوبہ! تو میرے حبیب کے پاس سے ضرور گزرنا اور پھر اس کی چادر سے لپٹ جانا تاکہ اس کی نرم ہوائیں تجھے نصیب ہوں۔ پھر اس سے یہ کہنا کہ وہ اتنا سنگدل کیوں واقع ہوا۔ حالانکہ اس سے قبل جب بھی میں نے اسے دیکھا تو وہ نرم دل معلوم ہوا۔ بلاشبہ میں تمہیں یہ کہنے سے بالا و برتر سمجھتا ہوں کہ تو نے مجھ پر ظلم ڈھایا حالانکہ اللہ پاک خوب جانتے ہیں کہ میں مظلوم ہوں۔[۲]

مذکورہ بالا اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ زمخشری کی شاعری زندگی کے لطیف پہلوؤں سے یکسر خالی نہیں۔ بلکہ رنگینی اور رعنائی کے ساتھ وہ تشبیب و تغزل کو بھی بدستور بروئے کار لاتے ہیں۔ مگر یہ بات ضرور ہے کہ اس کی شاعری کبھی یاوہ گوئی و لاف زنی

---

[۱] ابوالحسن علی القفطی۔ انباہ الرواۃ ج ۳ ص ۲۶۷-۲۷۱۔ بغیۃ الوعاۃ ج ۲ ص ۲۷۹

[۲] ابوالحسن القفطی۔ انباہ الرواۃ ج ۳، ص ۲۷۰

سے آلودہ نہ ہو سکی۔ شاعر کی انفرادیت کا اظہار صحیح معنوں میں اس کی غنائی شاعری (LYRIC POETRY) غزل، تشبیب، ذکرِ شباب، جذباتِ الفت و محبت اور رنج والم کے اظہار سے ہوتا ہے۔ باوجود ان صفات کی کمی کے زمخشری کے انداز و اسلوب میں فی الجملہ لطافت پائی جاتی ہے مگر کیفیاتِ عشق سے ناآشنائی نے جا بجا بھونڈاپن پیدا کر دیا۔

دیگر اصنافِ سخن کی طرح زمخشری نے مرثیے اور قصائد بھی تحریر کئے۔ ان کے مراثی میں رنج والم کے جذبات کی شدت پائی جاتی ہے۔ اپنے مشفق استاد شیخ ابو منصور مضر کے انتقال پُر ملال پر زمخشری نے بڑے غم انگیز لہجہ میں یوں مرثیہ خوانی کی:۔

وما زال موت المرء يخرب داره + وموت فريد العصر قد خرب العصرا

وصك بمثل الصخر سمعى نعيه + وشبهت بالخنساء اذ فقدت صخرا

ترجمہ:۔ آدمی کی موت اس کے گھر کے لئے ہمیشہ ویران کن ثابت ہوتی ہے۔ مگر یگانۂ روزگار ممدوح (ابو مضر) کی موت نے زمانہ کو ویران کر دیا۔ اور ان کی خبرِ مرگ نے میرے کانوں کو یوں چاک کیا جیسے پتھر چاک کیا جاتا ہے اور مرثیہ گوئی میں مجھے خنساء بنت تماضر (راثی العرب) کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے جس نے اپنے بھائی صخر کو گم پایا تھا۔

وقائلة ما هذه الدرر التى + تساقطها عيناك سمطين سمطين

فقلت هو الدر الذى كان قد حشا + ابو مضر اذنى تساقط من عينى

ترجمہ:۔ وہ آکر کہنے لگی کیسے ہیں یہ موتی جو آپ کی آنکھوں سے لڑیاں بن کر ٹپک رہے ہیں؟ میں نے کہا یہ وہ موتی ہیں جو میرے استادِ محترم ابو منصور مضر نے کانوں کے راستے سے بھر دیئے تھے جو خون کے آنسو بن کر آنکھوں کی راہ سے ٹپک رہے ہیں۔[۱۳]

اپنے دین کے سلسلہ میں ان کی زبان سے نکلے ہوئے ذیل کے یہ اشعار کیسے عمدہ اور زبان زدِ خاص و عام ہیں!

اذا سألوا عن مذهبى لم ابح به + واكتمه كتمانه لى اسلم

---

[۱۳] ایضاً ج ۳، ص ۲۶۷ - ومعجم الادباء ج ۷، ص ۱۴۷

فان حنفیاً قلت قالوا بأننی + أبیح الطلا وھو الشراب المحرم

ترجمہ:- جب لوگ میرے مذہب کے متعلق دریافت کرتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ انھیں واضح الفاظ میں بتا دینے کے بجائے پردۂ راز میں رکھنا ہی زیادہ ہوشمندی کی بات ہے کیونکہ میں اگر اپنے آپ کو حنفی بتاؤں تو لوگ کہیں گے یہ اس لئے ہے کہ میں مخصوص طور پر پکی ہوئی شراب کو مباح سمجھتا ہوں حالانکہ وہ میرے نزدیک حرام ہی کا حکم رکھتی ہے۔

وان مالکیاً قلت قالوا باننی + أبیح لھم اکل الکلاب وھم ھم

وان شافعیاً قلت قالوا باننی + أبیح نکاح البنت والبنت محرم

ترجمہ:- اور اگر میں مالکی بن کر جلوہ گر ہو جاؤں تو وہ کہیں گے کہ یہ اس لئے کہ میں کتے کا گوشت جائز سمجھتا ہوں حالانکہ یہ ٹھیک نہیں ہے اور اگر میں اپنے کو شافعی المذہب بتاؤں تو وہ کہیں گے کہ یہ اس لئے کہ میں لڑکی کے ساتھ شادی بیاہ کو مباح قرار دیتا ہوں جبکہ وہ حرام ہے۔

وان حنبلیاً قلت قالوا بأننی + ثقیل حلولی او لغیض مجسم

وان قلت من اھل الحدیث وحزبہ + یقولون تیس لیس یدری ولیفھم

ترجمہ:- اور اگر میں اپنے آپ کو اہل حدیث کے زمرہ میں جو کسی تقلید شخصی کے قائل نہیں منسلک بتاؤں تو وہ کہیں گے کہ یہ ایک کمسن چھوکرا ہے جس میں نہ تو سمجھنے کا سلیقہ ہے اور نہ ہی شُد بُد کا مادہ۔

علامہ جاراللہ دراصل یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ لوگوں کو ہر حالت میں راضی وخوش رکھنا مشکل ہے۔ ان کی طبعی عادت ہے کہ وہ ہر مسلک پر طعن وتشنیع کرتے ہیں۔ بنا بریں زمخشری ان باتوں سے بالاتر رہنا چاہتے ہیں اور آگے چل کر کہتے ہیں:-

تعجبت من ھٰذا الزمان وأھلہ + فما احد من ألسن الناس یسلم

واخرنی دھری وقدّم معشراً + علی انھم لا یعلمون واعلم

ترجمہ:- میں متحیر وششدر ہوں اس زمانہ سے اور زمانہ والوں سے جہاں لوگوں کی زبان درازی سے کوئی بھی نہیں بچ سکا۔ یہ زمانہ وہ ہے جس نے مجھے پیچھے کی طرف

دھکیلا اور دوسروں کو آگے بڑھایا محض اس بنا پر کہ میں جانتا ہوں اور وہ نہیں جانتے ہیں[۴۲]
آگے چل کر کسی اور موقع پر بھی انھوں نے زمانہ اور زمانہ والوں سے شکوہ سنجی کی
ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں :-

زمان کل حب فیہ خب + وطعم الخل خل لو یذاق

ترجمہ :- یہ زمانہ ہے کہ ہر دوست اس میں فریب کاری اور خیانت کا مرتکب ہے ایسی دوستی کا مزہ اگر چکھا جائے تو بڑا تلخ معلوم ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا اقتباسات سے بخوبی یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمخشری نہ صرف ایک نامور و عمدہ گو شاعر تھے بلکہ وہ اپنے عہد میں علم وفضل اور فکر و نظر کے ایک اچھوتے اور نرالے مقام پر فائز تھے۔ ان کی شعر و شاعری کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ اس کی ہر صنف کو بیان کرنے کے لئے یہ مختصر سا مضمون کافی نہیں بلکہ بذاتِ خود یہ ایک طویل مقالے کا محتاج ہے۔ مندرجہ بالا اشعار اس بات کا بھی بین ثبوت پیش کرتے ہیں کہ تمامتر موانع کے باوجود زمخشری کی جدّت طراز طبیعت شاعری کے ہر میدان اور تقریباً تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کئے بغیر نہ رہ سکی۔ المقامات یا نصائح الکبار اور نصائح الصغار نامی دونوں شاہکاروں میں آپ کے بہت سے اشعار بکھرے پڑے ہیں۔ المقامات یا نصائح الکبار دراصل عربی زبان و ادب کے مختلف نصیحت آمیز افسانوں اور اشعار کا مجموعہ ہے۔ اس تصنیف کے پیچھے بھی ایک تاریخی پس منظر موجود ہے۔ اسی پس منظر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولیٰ طاش کبرہ زادہ الرومی المتوفی ۹۶۸ھ تحریر کرتے ہیں کہ اپنی زندگی کی اکتالیس بہاریں گزارنے کے بعد بھی زمخشری ایک دنیا ساز انسان کی طرح باقاعدہ طور پر شاہی دربار سے وابستہ تھے۔ امراء و وزراء سے ان کے تعلقات گہرے تھے۔ ان کی جھوٹ موٹ اور مبالغہ آمیز تعریف و توصیف کے پل باندھ کر ان سے معقول انعامات اور عطیات حاصل کیا کرتے۔ اس کے بعد پھر یہ کمال خوش بختی تھی کہ روحانی کامرانی ان کے قدم چومتے

---

[۴۲] نبذۃ من ترجمۃ المؤلف بقلم الاستاذ الشیخ ابراھیم الدسوقی بانجوا الکشاف ج ۳، ص ۳۷۶

لگ گئی اوران کی زندگی میں ایک ایسی تبدیلی واقع ہوئی جس کا انہیں کوئی گمان نہ تھا۔ ایک شب کو خواب کے ذریعہ انھیں حکم ہوا کہ دنیاوی حرص وطمع کو چھوڑ کر دینی و مذہبی خدمات سرانجام دیں[۵۱] اپنے مقامات کے شروع میں بھی زمخشری نے اس حسین خواب کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ۵۱۲ھ (۱۱۱۸ء) کے ماہ رجب المرجب کی ابتداء میں زمخشری ایک مہلک مرض میں مبتلا ہوئے۔ اُن دنوں ان کی عمر ۴۱ سال کی تھی۔ مرض کی شدت کو دیکھ کر ان کی طبیعت گھبرا گئی اور اپنے کیے پر انہیں بہت ہی ندامت وپشیمانی محسوس ہونے لگی۔ بالآخر بستر علالت ہی پر انھوں نے یہ عہد کیا کہ اگر خدا نے تندرستی عنایت کی تو شاہی دربار سے وہ ہمیشہ کے لئے قطع تعلق کر لیں گے۔ تملّق اور چاپلوسی کو کبھی اپنا ذریعۂ معاش نہ بنائیں گے۔ نہ ہی امراء و شرفاء کی بے بنیاد و من گھڑت تعریف وستائش سے اپنے دامن کو آلودہ کرتے ہوئے ان کا چہیتا اور محبوب بننے کی ناکام کوشش کریں گے۔ کیونکہ محض روٹیوں اور روپوں پیسوں کی خاطر ایوانِ سلطنت میں جاکر امراء کی بے جا تعریف وتوصیف کرنا اپنی انسانیت اور شرافت کو بُری طرح داغدار کرنے کے مترادف ہے۔ یہ بالکل صحیح اور مسلّم بات ہے کہ دولت و ثروت اور شہرت کی دائمی ہوس میں قصر شاہی سے وابستہ ہو کر شاعری کبھی نہیں پنپتی بلکہ یہ شاعری کے فطری اور طبعی جوہر کو اجاگر کرنے کے بجائے غارت کر دیتی ہے۔ اس کی جبلّی صلاحیتوں کا خاتمہ کرتی ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ مصروفیاتِ دربار اور اس کی نت نئی پابندیاں اسکالر کی عبقریت کے لئے طلائی زنجیریں ثابت ہوتی ہیں اور اس کا دائرہ صرف قصری دنیا تک محدود و مقید ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کی طبعی ذکاوت وعبقریت کو آزادانہ جولانیاں دکھانے اور پر و بال پھیلانے کا موقع نہیں ملتا۔

انہی وجوہات کی بنا پر زمخشری نے خوشامد اور چاپلوسی کی زندگی کو خیرباد کہہ کر درویشانہ زندگی بسر کرنے کا ارادہ کیا۔ انھوں نے قبل از علالت کے دَور کو ایامِ جاہلیت اور

---

[۵۱] مفتاح السعادۃ ج ۱ ص ۴۳۳

بعداز ضلالت کے دور کو دورِ اسلام سے تعبیر کیا۔ پھر دل ہی دل میں یہ تہیہ کر لیا نیز اللہ کو حاضر ناظر سمجھ کر اس کے روبرو یہ عہد کیا کہ دورِ جاہلی میں اپنے مبالغہ آمیز مدحیہ قصائد کے ذریعہ جو کچھ انھوں نے کمایا اور کھایا سب کو قے کر کے نکال باہر کرینگے۔ اس طرح سے چندروزہ شاہی دربار کے رجسٹر میں ان کا جو نام درج ہے اسے حرفِ غلط کی طرح مٹا کر گراسۂ ایزدی میں اسے درج کریں گے۔ کیونکہ اس دنیا میں اللہ کے بندوں کے پاس ہاتھ پھیلا کر کبھی کوئی بے نیاز نہیں ہو سکا۔ ہاتھ پھیلانا تو صرف اسی دربارِ خداوندی میں چاہیئے جہاں کشکولِ گدائی لے کر دنیا کے شاہان و سلاطین بھی سرگرداں پھرتے ہیں۔ زمخشری نے یہ بھی عہد کیا تھا کہ اگر انھیں تندرستی نصیب ہوئی تو وہ اپنی رہی سہی زندگی کو خالص دینی و مذہبی کتب کی تصنیف و تالیف میں صرف کریں گے۔ یونانی فلسفہ و منطق کو پسِ پشت ڈال کر صرف قرآن و حدیث کی طرف اپنی ساری توجہات کو مرکوز کرینگے (ملاحظہ ہو المقامات ص۱۱)

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

والکریم اذا وعد وفیٰ

چنانچہ زمخشری نے مہلک مرض سے شفایاب ہوتے ہی اپنا وعدہ پورا کیا۔ یہ وعدہ پوری طرح نہ سہی مگر جزوی طور پر ضرور ایفا ہوا۔

یہ وہ زمانہ ہے جبکہ زمخشری کی صلاحیت و عبقریت نے نئی کروٹیں لیں اور ایک نیا رخ اختیار کیا۔ شاہی دربار میں شعر گوئی سے کنارہ کش ہو کر اپنی زندگی کے نئے دور کے آغاز میں اس کی ساری فطری صلاحیتیں اُجاگر ہو کر مکمل طور پر بروئے کار آئیں۔ اگرچہ عہدِ شباب رخصت ہو چلا تھا مگر اس کے نفس کی بیداری پر عنفوانِ شباب آگیا، اور جوانی کی سی لہریں دوڑ گئیں۔ یہی وہ دور ہے جبکہ زمخشری نے بڑے ذوق و شوق اور جوش و خروش کے ساتھ قرآنی خدمات اور احیائے ادب کے میدان میں اتر کر کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ اس دور کی شاعری میں عموماً زمخشری اپنی پچھلی زندگی سے نادم و تائب ہو کر اپنے گناہوں پر عاجزانہ تاسف کا اظہار کرتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔ چنانچہ ذیل کے اشعار میں فروتنی اور انکساری کے ساتھ آہ و بکا

اور گریہ و زاری کرتے ہوئے وہ اپنی خطاؤں کا اعتراف کرتے ہیں جو اُن سے گزرے ہوئے زمانہ میں سرزد ہو چکی ہیں اور جن کے لئے وہ نادم و پشیمان ہو کر بارگاہِ ایزدی میں ہاتھ جوڑ کر معذرت خواہ ہیں :-

یا قادراً قاهراً ادعوك مبتهلاً + دعاء من بات فی همٍّ وفی نصب

یا حاضراً ناظراً فی کل خافیة + لم یخف عنك فی الاخفاء محتجب

ترجمہ :- اے میرے زبردست مولیٰ اور قادرِ مطلق خدا ، میں تیرے دربار میں روتا ہوا اور بلکتا ہوا اس شخص کی طرح پُرخلوص استدعا کرتا ہوں جس نے ساری رات غم و اندوہ میں گھل گھل کر دُعائیں کیں ۔ اے میرے پروردگار عالم تو ہر جگہ موجود ہے اور میرے ہر کام کو دیکھ سکتا ہے خواہ وہ روزِ روشن کی طرح بیّن یا رازِ سربستہ ہی کیوں نہ ہو۔

یا فارج الهمّ یا منجی من الکرب + یا غافر الذنب للعاصی اذا یتب

ترجمہ :- اے غم کے دُور کرنے والے اور مشقت و کلفت سے نجات دلانے والے خدا ، تو ہر بدکردار کے گناہوں کو بخش دیتا ہے جبکہ وہ صدقِ دل سے توبہ کرے۔

دیکھئے مذکورہ بالا اشعار کے ذریعہ زمخشری اپنے قادرِ مطلق خدا کے سامنے سرنگوں ہو کر کس طرح اپنی بے لبی و بے کسی کا پورا پورا اظہار کرتے ہیں[16] رحمتِ الٰہی کو بے پایاں سمجھ کر خدائے بزرگ و برتر کی مغفرت کو اپنے عصیان سے وسیع تر سمجھتے ہیں ۔ آگے چل کر اپنی "مقامات یا النصائح الکبار" نامی کتاب میں یوں زمزمہ پرداز ہوتے ہیں۔

ترجمہ :- مبارک و شادماں ہے اللہ کا وہ بندہ جو خدا کی رسّی کے ساتھ اپنے آپ کو باندھ لیتا ہے اور جس کے پاؤں اللہ کی سیدھی راہ میں جمے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس بندہ کا لباس و پوشاک تو بہت ہی پھٹا پرانا ہے مگر دل اس کا یادِ خدا سے تر و تازہ ہے۔ اس کا نام دنیا میں کوئی نہیں جانتا اور وہ اپنے ذکر و فکر میں یوں کھویا ہوا گم سُم رہتا

---

[16] ملاحظہ ہو ۔ اطواق الذہب ۔ ص ۱۸۰ - ۱۸۶ ۔

BITED & TRANSLATED BY BASHIER DE-MEYUARD, PARIS. 1876)

ہے کہ دنیا و مافیہا سے بے پروا ہے۔ اگر اسے کسی چیز کی پروا ہے تو وہ صرف آخرت کی ہے[۱۷]
اس کے بعد پھر زمخشری نے اپنے ملک میں رہنا ہی پسند نہ کیا۔ وہ اس ملک میں کیسے قیام کرتے جبکہ وہیں رہ کر انھوں نے تمام جرائم اور گناہوں کا ارتکاب کیا ہو۔ اب اپنے کئے پر افسوس وندامت دل میں کانٹا بن کر چبھنے لگی اور دائمی عذاب میں مبتلا رکھنا شروع کیا۔ چنانچہ اب مزید تاخیر کے بغیر فوراً انھوں نے اپنے وطن مالوف کی ساری کشش و الفت کو خیرباد کہہ کر دیار حرم پاک کی طرف ہجرت کرنے اور اپنی باقی ماندہ زندگی کو اسی مقدس سرزمین میں گزارنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ وطن مالوف کی محبت و دلربائی ان کے عزم مصمم کی راہ میں قطعاً حائل نہ ہو سکی۔ ابھی گھر سے نکل کر اپنی منزلِ مقصود یعنی مکۂ معظمہ تک پہنچنے نہیں پائے تھے بلکہ اثنائے راہ میں ہی تھے کہ بہت سے اشعار کہہ ڈالے جن کے اردو ترجمے یہ ہیں :۔

"اے میرے پروردگار میں تیری بارگاہ میں ان گناہوں کی فریاد لے کر آیا ہوں جو مجھ پر بری طرح حاوی ہیں۔ تو مجھ پر رحم کر اور میرے دردمند دل کو شفا عطا کر۔[۱۸]
.... اے میرے مخاطب! تو اعلان کر دے کہ میں سرزمین مکہ معظمہ کی طرف رخ کرتا ہوا رختِ سفر باندھ چکا ہوں تا آنکہ میں اپنے شتر سوار کو بٹھا دوں اور میرے ان چیتھڑوں کے اندر ملبوس ایک نوجوان ہے جو دنیا کے قدیم ترین قبلہ خانۂ کعبہ کے سایہ میں بسنے کے لئے گھر سے چل پڑا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ نوجوان جب خدا کے اس مقدس گھر کے گوشہ میں پناہ ڈھونڈھ کر اپنے پیہم مگر کنکریوں جیسے انگنت اور پہاڑ جیسے عظیم گناہوں کا ماتم کرے گا تو سب سے بڑھ کر سخی، رحم دل اور قادر مطلق خدا ضرور اس کے گناہوں کو معافی سے نوازے گا.... خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں، باکمال و قابل ترین انسان وہی ہے جو خدا کے اس گھر کی طرف ہجرت کرتا ہے۔ خداترس

۱۷۔ المقامات، ص ۳۱-۳۰

۱۸۔ MS. NAFAHAAT AL- ASHÁAR RABI 'AL-'ABRAAR, FOL. 12.

اور راست باز انسانوں کا پیشہ یہی ہے کہ وہ حصولِ عقبیٰ کی خاطر دنیا کے تمام اسباب اور ساز و سامان کو فروخت کر ڈالیں۔ پھر وہ تاجر کتنا ہی مبارک ہے! خدا کی قسم کوئی بھی سودا سلف سوائے خسارہ کے سودمند نہیں تاآنکہ اس پر مہرِ پارسائی ثبت نہ ہو۔

میں اپنی زندگی میں زیاں کار ہوں۔ اگر خدا نے چاہا تو اس نقصان کی تلافی ہو سکتی ہے اور یہ پژمردہ زندگی پھر بحال ہو سکتی ہے۔ اے مخاطب! تو نے ضرور مجھے برائی میں پہل کرتے اور بھلائی میں تاخیر کرتے دیکھا ہوگا۔ اب میں اپنے بزرگ و برتر خدا کی اطاعت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھوں گا۔ ممکن ہے کہ اسی اطاعت سے میری تمام خطاؤں کی تلافی ہو جائے۔ میری یہ سیاحت جاری رہے گی۔ ان لوگوں کی طرح جن کی سیاحت کی منزل مکۂ معظمہ تک مقرر ہے۔ لیکن جب وہ واپس لوٹیں گے تو میں نہیں رجوع کروں گا بلکہ خانۂ کعبہ کے آنگن میں اپنا خیمہ نصب کروں گا تاوقتیکہ قبر کی آخری خواب گاہ مجھے نصیب ہو جائے۔ میں حطیم اور چاہِ زمزم کے مابین قیام پذیر رہوں گا۔ یہاں مہمان نوازی کے لئے نہ میرا کوئی بھائی بند اور نہ کوئی قبیلہ مجھے مدعو کرے گا بلکہ میں مہمان بن کے رہوں گا اپنے رب کے ہاں جو ایسا مہربان میزبان ہے کہ اپنے مہمان کو کبھی ناکام و نامراد نہیں ہونے دیتا اور اس کی مرادیں برلاتا ہے۔ اب میرے لئے کافی ہے خدا کا ہمسایہ (جار اللہ) ہونا اور وہ خدا اکیلا ہی مجھے کافی و شافی ہے۔[19]

بعد ازاں ۵۰۶ھ – ۱۱۱۲ء کی ایک مبارک و جاں نواز صبح کو وہ سچ مچ مکۂ معظمہ تک پہنچ گئے۔ وہ کیا ہی ساعتِ ہمایوں تھی اور کیا ہی دورِ فرخ فال تھا جبکہ زمخشری نے اس مقدس سرزمین میں قدم رکھا۔ ان کی آمد کی خبر پاتے ہی وہاں کے امیر ابوالحسن ابن وہاس المتوفی ۵۰۶ھ – ۱۱۱۲ء نے فوراً آگے بڑھ کر گرمجوشی کے ساتھ ان کا پرتپاک استقبال کیا اور بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا۔ اب دونوں کے درمیان صرف دوستی کا تعلق ہی نہیں بلکہ استاد و شاگرد کا رشتہ استوار ہو گیا۔

---

[19] MS. DIWAAN AL-ADAB, FOL. 43.

مکہ معظمہ کا نوجوان طبقہ بسا اوقات آپ کے گرد جمع ہو جاتا اور آپ کی ناپیدا کنار علمی قابلیت و استعداد سے فائدہ اٹھاتا۔ اطراف و اکناف سے دیگر تشنگانِ علم بھی آپ کے چشمۂ فیض سے سیراب ہو ہو کر اپنی علمی پیاس بجھاتے۔

زمخشری نے یہاں آکر خالص مذہبی کتابوں کی تصنیف و تالیف میں اپنے آپ کو ہمہ تن منہمک کر دیا۔ حتیٰ کہ قیامِ مکہ کے دوران میں اپنی تازہ ترین تصنیف الکشاف اور الفائق کے ذریعہ آپ نے رسول اللہ صلعم سے بروزِ قیامت اس بات کی سفارش کے لئے دعا کی کہ اللہ پاک ان گناہوں کو بخش دے جو اُن سے ماضی میں سرزد ہو چکے ہیں۔ چنانچہ وہ دیوان الادب میں یوں زمزمہ پیرا ہیں :-

"کیا مجھے بروزِ قیامت نبی مصطفیٰ صلعم کی سفارش اور خدائے ذوالجلال کی مغفرت نصیب ہوگی؟ میرے خدا گناہوں کی معافی میں تو بہت ہی دریا دل ہے۔ اور جزا و سزا کے دن جب میرے ٹھکانے کا اعلان کیا جائے گا تو کیا میں اپنی تصنیف کردہ کتاب الکشاف اور فائق کو اپنی راستی کے ثبوت کے طور پر پیش کر سکوں گا؟ اس دن کشاف نئے سرے سے اپنی شان دکھائے گی اور فائق بھی اپنا جوہر دکھائے گی بشرطیکہ حساب و کتاب کے دونوں فرشتوں کے ذریعہ ان کی صحیح اقدار کا پتہ لگایا جائے۔"[۳۰]

مکہ معظمہ میں رہ کر زمخشری کے اکثر و بیشتر اوقات پیہم دعاؤں میں اور حج و عمرہ کے ارکان بجا لانے میں بسر ہوتے تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں وہ خود ہی اشعار پیش کرتے ہیں :

عرفات کے ہموار میدان میں جب میں ایک دفعہ کھڑا ہوتا ہوں تو دوسری دفعہ کھڑا ہونے کے لئے استقبال کیا جاتا ہوں۔ وہاں کھڑے ہو کر کبھی نہ ختم ہونے والے آنسوؤں کو بہانا میرے لئے ایک انمول یادداشت ہے۔ . . .

میں بلد الامین مکہ معظمہ کا متمنی ہوں، جہاں پر اس مقدس گھر کا باشندہ طواف

---

۳۰ ABID : FOL. 66

کرنے والا اور پابندِ صلوٰۃ کی حیثیت سے مجھے شہرت نصیب ہوئی - میں اب بھی اس دیارِ حرم میں قیام کا متمنی ہوں جہاں مجھے کسی ناقدردان کا خوف نہیں ہے [۲۱]

عراق کی ایک مشہور عالمہ فاضلہ خاتون نے زمخشری کے مذکورہ بالا اشعار کو انگریزی کا جامہ پہنایا۔ یہ خاتون کیمبرج یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کر چکی ہیں اور ان دنوں عراق کی بغداد یونیورسٹی میں تعلیمی کالج کی پروفیسر ہیں۔ ان کا نام ڈاکٹر باہجۃ الحسنی ہے -

مقامات ادب عربی کی ایک معتدبہ شاخ ہے اور اس سلسلہ کی دوسری کڑی الوالقاسم حریری المتوفی ۱۱۲۲ء سے جا ملتی ہے۔ زمخشری نے پیشرو اور ہمعصر ابوالقاسم حریری کو مندرجہ ذیل اشعار کے ذریعہ خوب خوب سراہا۔ اشعار کا اردو ترجمہ یہ ہے:-

" میں خدا کی ذات اور اس کی عجائبات کی قسم کھاتا ہوں۔ نیز تمام حاجیوں کے ارکان حج اور مقدس خانۂ کعبہ کی بھی قسم کھا کر میں کہتا ہوں کہ بلاشبہ حریری کے مقامات اس قابل ہیں کہ اس کی ہر ہر سطر آبِ زر سے لکھی جائے۔"

پروفیسر ہائی ووڈ (PROF HAY WOOD) ان کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:۔ " امام زمخشری اپنے زمانہ میں آسمانِ علوم و فنون پر ایک تابندہ و درخشندہ ستارہ بن کر نمودار ہوئے۔ علم نحو میں آپ کی مایۂ ناز تصنیف " المفصّل" غالباً اس فن کی لاجواب بہترین اور ضخیم ترین کتاب ہے۔ آنے والی نسل نے اس کتاب کی شرح لکھنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ اس کی تالیف یکم رمضان المبارک ۵۱۳ھ میں شروع ہوئی اور بماہ محرم الحرام ۵۱۵ھ اختتام پذیر ہوئی۔" [۲۲]

کتاب کا نام " المفصل فی النحو وصناعۃ الاعراب" ہے۔ پوری کتاب چار حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ پہلا حصہ اسماء سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسرا حصہ افعال سے

---

[۲۱] MS. NAFAHAAT ASHÁR RABI AL-ABRAAR, FOL. 12.

[۲۲] قاضی ابن خلکان۔ وفیات الاعیان فی انباء ابناء الزمان۔ ج ۲۔ ص ۱۰۷۔
طبقات المفسرین للسیوطی۔

تیسرا حصہ حروف سے اور چوتھا حصہ ان تینوں اقسام کے مشترک احوال سے تعلق رکھتا ہے مصنف نے خود 'انموذج' کے نام سے کافیہ کی طرح المفصل کا ایک مختصر لکھ کر مبتدیوں کے لئے بہت مفید کام کیا۔ مصر کے مطبع کوکب اسکندریہ سے ۱۲۹۱ھ میں چھپی ہے۔ نیز ۱۸۹۱ء میں شمس الدین اوغلی کے اہتمام سے شائع ہوئی۔ ۱۹۰۳ء میں اردبیلی کی شرح اور مولوی داؤد کے حاشیہ، نیز میدانی کی کتاب 'نزہۃ الطرف' کے ساتھ بھی شائع ہوئی ہے۔ کتاب المفصل کے چاروں طرف علم نحو کے دو مانے ہوئے امام سیبویہ اور ان کے استاد خلیل بن احمد الفراہیدی کے اقوال سے خوب صورت حاشیہ چڑھایا گیا اور ذیل میں شیخ الرئیس ابن سینا المتوفی ۴۲۸ء کی کتاب الرسالۃ فی اقسام العلوم العربیہ بھی شائع کی گئی ہے۔ نیز یہ کتاب مولوی محمد یعقوب رامپوری کے اہتمام سے ۱۸۹۱ء میں دہلی سے چھپی ہے۔ ابن یعیش حلبی المعروف بابن الصائغ المتوفی ۶۴۳ھ نے المفصل کی بہترین شرح لکھی جو شائع ہوچکی ہے[۲۳] ابوالحسن القفطی نے انباہ الرواۃ میں یاقوت کا حوالہ دے کر کہا کہ زمخشری نے خود بھی مفصل پر حاشیہ لکھا۔ یوسف بن معزوز القیسی المتوفی ۶۲۵ھ نے المفصل کی تردید کی (ملاحظہ ہو صلۃ الصلۃ ص ۲۲۲)

علامہ جاراللہ الزمخشری تحریر و انشا پردازی کے میدان میں ایک برق رفتار شہسوار تھے۔ آپ کا اشہبِ قلم ہر میدان اور ہر صنف سخن میں یکساں طور پر رواں دواں تھا۔ لغت نویسی کے فن میں بھی آپ اپنی نرالی شان اور جولانیٔ طبع دکھلائے بغیر نہ رہ سکے۔ اس فن میں آپ نے 'اساس البلاغۃ' اور 'الفائق فی غریب الحدیث' نامی دو بہترین کتابیں لکھ ڈالیں۔ یہ دونوں آپ کے ایسے انمول شاہکار اور جواہر پاروں کے بے بہا گنجینے ہیں جن کی نظیر بمشکل ہی مل سکتی ہے۔ یہ کتابیں آپ کی بے پایاں لغت دانی اور تبحرّ علمی پر پوری طرح عکاسی و غمازی کرتی ہیں۔ اوّل الذکر کی ترتیب و تنسیق تو بالکل ہی جدید طرز و انداز کی ہے اور موجودہ زمانہ کے عین مطابق ہے۔ غالباً یہ سب

---

۲۳ یوسف سرکیس معجم المطبوعات ج ۱، ص ۹۷۵

سے پہلی ڈکشنری ہے۔ جو اس طرح سے ترتیب دی گئی۔ اس کتاب میں ترتیب ہے مگر تفصیل نہیں ہے۔ کیونکہ یہ پہلے مجازی و استعاری معنوں کی طرف نشان دہی کرنے کی غرض سے قلمبند کی گئی تھی۔ مصر کے مطبعۃ الوہبیۃ سے باہتمام محمد مصطفیٰ ۱۲۹۹ء میں یہ کتاب دو جلدوں میں شائع ہوئی۔ الفاظ کی صحت اور حسنِ انتخاب کے اعتبار سے اساس البلاغہ ایک امتیازی حیثیت کی حامل ہے۔ اس کتاب کی ایک خوبی یہ ہے کہ مصنف نے اس میں بہت سے خوبصورت جملے پیش کئے ہیں اور اس کا اسلوب بہت پاکیزہ ہے اس کتاب کی خصوصیت کے طور پر مصنف نے یہ بھی کوشش کی ہے کہ کثرت استشہاد کے ساتھ ہر لفظ کے صحیح معنوں کا استعمال، لفظ کی پوری تاریخ وتحقیق اور اس کا پس منظر بھی قارئین کے سامنے آجائے۔ عام حروف ہجائیہ کی ترتیب سے یہ کتاب مرتب کی گئی ہے۔ اس کی ترتیب میں "الصحاح للجوہری" کی تقلید کی گئی ہے۔ مؤخرالذکر یعنی الفائق فی غریب الحدیث نامی کتاب احادیث نبویہ کی پیچیدہ گتھیوں کو بہترین پیرایہ میں ایک ایک کر کے سلجھاتی ہے اور اس کے تمام مشکل مقامات و مغلقات کو واشگاف کرتی ہے الفائق فی غریب الحدیث دو جلدوں میں حیدر آباد دکن سے ۱۳۲۴ھ میں شائع ہوئی ہے۔

(جاری ہے)